استعمال ہوئے ہیں۔ چاندنی رات کے بیان میں زیادہ تر الفاظ ایسے ہیں جو جنگل میں ہَوا کے چلنے اور چھوٹی بڑی چیزوں کے چاندنی میں جھمکنے کی کیفیت دیتے ہیں۔

مشق اور مطالعہ

(1) چاندنی رات کے ان منظروں کو نثر میں بیان کیجیے۔

(2) مثنوی میں بیان کردہ باغ کی تفصیلات اپنے الفاظ میں لکھیے۔

(3) اپنے استاد سے معلوم کرکے اس داستان کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

نواب مرزا شوق

(1871 — 1783)

نواب مرزا کا اصل نام تصدّق حسین خاں تھا، لکھنؤ کے ایک معزّز گھرانے کے فرد تھے۔ اُن کا خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ شاعری میں وہ آتش کے شاگرد تھے۔ وہ اپنے وقت کے مشہور حکیم بھی تھے لیکن اردو ادب کی تاریخ میں اُن کی شہرت تین مثنویوں کی بِنا پر ہے۔ اُن میں سے دو مثنویاں "فریبِ عشق" اور "بہارِ عشق" 1846 اور 1847 کی تصنیف ہیں۔ تیسری مثنوی "زہرِ عشق" جو سب سے زیادہ مشہور ہے 1860 اور 1862 کے درمیان لکھی گئی۔

"زہرِ عشق" ایک بے نام نوجوان لڑکی اور لڑکے کی محبّت کی چھوٹی سی کہانی ہے۔ اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں، لیکن نظم میں اثر اور کیفیت اس قدر ہے کہ عشق و محبّت کی ذرا ذرا سی باتیں بھی سچّی اور اصلی معلوم ہوتی ہیں۔ شاید اسی بِنا پر اس مثنوی کا پڑھنا عیب سمجھا جاتا تھا اور انگریزوں نے اس کی اشاعت پر پابندی لگا دی تھی۔ اردو میں ہزاروں کتابیں ایسی ہیں جن میں ان معاملات کو بہت کھُل کر بیان کیا گیا ہے اور ان کے سامنے "زہرِ عشق" بالکل سادہ اور معصوم معلوم ہوتی ہے۔ یہ شاعر کا کمال ہے کہ سچّائی کے ساتھ ان واقعات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ مثنوی نہایت پُر اثر بن گئی ہے۔

جواشعار اس وقت ہمارے سامنے ہیں وہ مثنوی " زہرِ عشق " کے آخری حصّے سے لیے گئے ہیں۔ لڑکی نے مایوس ہوکر زہر کھالیا ہے اور ماں اس کے جنازے پر ماتم کررہی ہے۔ اس کے بعد عاشق بھی زہر کھاکر بے ہوش ہوجاتا ہے۔ لڑکی خواب میں آکر اس کو ملامت کرتی ہے۔

(1)

بیٹی کی میّت پر ماں کا ماتم

سب امیرو فقیر روتے تھے — دیکھ کر راہ گیر روتے تھے
سب کے پیچھے پِنس میں تھی مادر — کہتی جاتی تھی اس طرح روکر
تیری میّت پہ ہوگئی میں نِثار — کم سخن ہائے میری غیرت دار
دل پہ جو گذری کچھ بیان نہ کی — کچھ وصیّت بھی میری جان نہ کی
کچھ نہیں ماں کی اب خبر تم کو — کس کی یہ کھاگئی نظر تم کو
دل ضعیفی میں میرا توڑ گئیں — بیٹا اس ماں کو کس پہ چھوڑ گئیں
تازہ پیدا جگر کا داغ ہوا — گھر مرا آج بے چراغ ہوا
دل کو ہاتھوں سے کوئی مَلتا ہے — جی سنبھالے نہیں سنبھلتا ہے
زہر دے دے کوئی میں کھاجاؤں — یا زمیں شَق ہو میں سما جاؤں
داغ تیرا جگر جَلاتا ہے — چاند سا مُکھڑا یاد آتا ہے
مٹ گیا لُطف زندگانی کا — دل کو غم ہے تری جوانی کا
بیاہ تیرا رچانے پائی نہ میں — کوئی مَنّت بڑھانے پائی نہ میں
تیری صورت کے ہوگئی قربان — چلیں دُنیا سے کیسی پُر ارمان

ہوئیں کس بات پر خفا۔ بولو — امّاں واری ذرا جواب تو دو
بولتیں تم نہیں پُکارے سے — اب جیوں گی میں کس سہارے سے
کیا قضا نے جگر پہ داغ دیا — آج گھر میرا بے چراغ کیا
نکلا ماں باپ کا نہ کچھ ارمان — ہائے بیٹا نہ تم چڑھیں پروان
ایسی اِس ماں سے ہوگئیں بیزار — لی نہ خدمت بھی پڑکے کچھ بیمار
نہ جیوں گی ترے فِراق میں مَیں — دل تڑپتا ہے آنکھیں ڈھونڈتی ہیں

(2)

اختتامِ قصّہ

مرگئی تھی جو مجھ پہ وہ گُلفام — زندگی ہوگئی مجھے بھی حرام
دیکھا آنکھوں سے تھا جو ایسا قہر — کھاگیا میں بھی گھر میں آکر زہر
دوپہر تک توقّف رہی جاری — بعد پھر اس کے غَش ہوا طاری
تین دن تک رہی وہ بے ہوشی — ہوگئی جس سے خود فراموشی
عین غفلت میں پھر یہ دیکھا خواب — کہ یہ کہتی ہے وہ بہ چشمِ عتاب
سُن تو رے تو نے زہر کیوں کھایا — کچھ وصیّت کا بھی نہ پاس آیا
ہوئے خود رفتہ ایسے حد سے زیاد — دو ہی دن میں بُھلادی میری یاد
دل سے میرا بُھلا دیا کہنا — ہاں یہی چاہیے تھا، کیا کہنا
کہہ کے یہ جب وہ ہوگئی روپوش — کُھل گئی آنکھ آگیا مجھے ہوش
زہر کا پھر نہ کچھ اثر پایا — اک تعجّب سا مجھ کو یہ آیا
آشنا دوست سب کا تھا یہ بیان — مُردے جی اُٹھتے ہیں خدا کی شان

ہوگیا والدین کا یہ سُرور　　بڑھ گیا دل کا چین چشم کا نوُر
اقربا سُن کے سب ہوئے دل شاد　　آ کے دینے لگے مُبارک باد
حاصل اتنا تھا کچھ کہانی سے　　ہم رہے جیتے سخت جانی سے
عشق میں ہم نے یہ کمائی کی
دل دیا غم سے آشنائی کی

معنی اور اشارے

پِنَس	= پالکی جیسی ایک کھُلی ہوئی سواری۔ اس کو "پینس" اور "فینس" بھی کہتے ہیں۔
منّت بڑھانا	= منّت کو پورا کرنا۔ جب کسی کام یا مقصد کے پورے ہونے کے لیے دُعا اس طرح مانگی جائے کہ جب یہ کام ہو جائے گا تو ہم کچھ خیرات کریں گے یا کسی بزرگ کے مزار پر جائیں گے، وغیرہ، تو اسے منّت مانگنا یا ماننا کہتے ہیں۔
واری	= قربان
قضا	= موت۔ تقدیر
خود رفتہ ہونا	= ہوش کھو بیٹھنا
اقربا	= رشتے دار اور دوست۔ یہ "اقرب" کی جمع ہے۔ "اقرب" کے معنی ہیں : سب سے زیادہ قریب۔

غور کرنے کی بات اور مشق و مطالعہ

ماتم کے الفاظ بہ ظاہر بہت سادہ ہیں کیونکہ شاعر نے عورتوں کی زبان کا خیال رکھا ہے۔ لیکن شاعرانہ خوبصورتیوں کو بھی بیان میں اس طرح گھُلا مِلا دیا گیا ہے کہ اگر ان اشعار پر غور کیا جائے تو نیا لُطف حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً : تین شعروں میں "داغ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ "داغ" کو چراغ سے بھی تشبیہ دیتے ہیں اور چاند میں بھی داغ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے داغ کا پیدا ہونا لیکن گھر کا بے چراغ ہو جانا اور چاند سی شکل یاد آنا، خوب لطف رکھتا ہے۔

دوسرے ٹکڑے میں لڑکی اس بات پر ناراض ہوتی ہے کہ عاشق نے زہر کیوں کھا لیا لیکن ناراضگی کو یوں ظاہر کرتی ہے کہ عاشق نے اُس کو بھُلا دیا ہے۔

"خود رفتہ ہونا" کو پہلے زمانے میں "از خود رفتہ ہونا". بولتے تھے لیکن لوگوں کی عام بول چال میں "خور رفتہ ہونا" ہی رائج تھا۔ اسی اعتبار سے لڑکی کی زبان سے "خود رفتہ ہونا" کہلایا گیا ہے۔ اس کے بعد والے شعر میں "کہنا" کو دونوں معنی میں نہایت صفائی سے برتا ہے۔ پہلے مصرعے میں "کہنا" کہی ہوئی بات کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرعے میں "کیا کہا جائے" کے طنزیہ معنی میں ہے۔ آخری سے پہلے شعر میں "کچھ" کا لفظ بہ ظاہر غیر ضروری ہے لیکن دراصل اس سے بہت سے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً : کہانی کا بس اتنا حاصل تھا، یا کہانی سے اتنا بہت کچھ حاصل ہوا، یا کہانی کا حاصل کچھ اس طرح کا ہے۔ نواب مرزا شوقؔ چھوٹے چھوٹے الفاظ کو بڑے بھرپور انداز میں استعمال کرتے تھے۔ آپ بھی چار جملے ایسے بنائیے جن میں لفظ "کچھ" کو الگ الگ طرح سے استعمال کیا گیا ہو۔